وارث فہمی

Waris

Fahmi

انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز رامپور

سلسلۂ مطبوعات انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز رام پور — ۱۲

انتخابِ کلام

وارث فہمی

نیا خواب ۰ رام پور

قائم چاند پوری، راز یزدانی اور شاد عارفی کے بعد

رام پور کے شاعروں کے انتخابی سلسلہ کی چوتھی پیشکش

ناشر: نیا خواب رام پور

طابع: جمال پرنٹنگ پریس دہلی

سالِ اشاعت: ۱۹۶۷ء

قیمت: دو روپے

تعارف

آج میں ایک ایسے شخص سے آپ کا تعارف کرا رہا ہوں جو اپنے خیالات اور جذبات پلیش تو کر رہا ہے بحیثیت ایک شاعر کے لیکن اپنی عملی زندگی میں اتنا حقیقت پسند ہے کہ شاعری سے اس کو دور کا بھی کوئی تعلق نہ ہونا چاہیے تھا۔ یہ بات میں نے شاعری کے قدیم نظریہ کو سامنے رکھ کر کہی ہے ورنہ سچ تو یہ ہے کہ وارث اگر اتنا حقیقت پسند نہ ہوتا تو شاید شاعر بھی نہ ہوتا۔ وارث میاں کو میں بچپن سے جانتا ہوں۔ انھوں نے میرے ساتھ پڑھا ہے، ساتھ کھیلا ہے اور زندگی کی ان منزلوں میں بھی ایک دوسرے ملتے رہے ہیں جہاں انسان پیاس کی شدت کو کڑواہٹوں سے، ذہنی یکسوئی کو الجھنوں سے، فکر تعمیری کو بے کیف تھکن سے، اور قوت عمل کو بیزاری سے بدل لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس لئے اگر میں یہ کہوں کہ ان کے دماغ میں رینگتے ہوئے خیالات اور ان کے دل میں اٹھتے ہوئے جذبات سے میں قریب قریب اتنا ہی واقف ہوں۔ جتنا کہ وہ خود، تو یہ غلط نہ ہوگا۔ ان کے کلام میں آپ یہ بات محسوس کریں گے کہ انھوں نے زندگی کو بار بار بہت قریب سے آکر دیکھا ہے لیکن ہر بار دور ہٹ ہٹ گئے ہیں، یا یوں کہئے کہ وہ بار بار زندگی کے حقائق سے دور بھاگے ہیں لیکن ان کے بے چین دل و دماغ نے ہر بار ان کو زندگی سے بہت قریب لا کھڑا کیا ہے یہ ٹھیک ہے کہ عمر کی پختگی، زندگی کی مجبوریاں اور آج کے دور کا مسموم اور بے پناہ دباؤ ان کو آہستہ آہستہ اندر سے بدل رہا ہے، اور یہ تبدیلی اتنی سست رفتاری سے آرہی ہے کہ وہ خود اس سے بے خبر معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس بیخبری کے ساتھ تبدیل ہوتے ہوئے عالم میں بھی اپنے اس بنیادی رجحان سے نہیں ڈگمگا رہے ہیں جس کو میں نے اب تک ان کی فطرت

کا تجزیہ اور ان کی فکر کی بنیاد سمجھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر انسان کو انسان دیکھنا چاہتے ہیں وہ نہیں جاننا چاہتے کہ کمیونزم کیا ہے، سوشلزم کسے کہتے ہیں اور مذہب انسان کیلئے وجہ نجات ہے یا نہیں۔ وہ تو بچپن سے صرف ایک ہی خواب دیکھتے چلے آرہے ہیں اور اسی کے سہارے وہ اپنے ذہن کو جوان رکھتے ہیں اور اپنی روح کو تازہ۔ وہ ان منازل سے بھی گزرے ہیں جہاں زندگی کی کڑواہٹیں انسان کی نس نس میں زہر کی طرح گھل کر سارے جسمانی نظام کو ناکارہ کر دیتی ہیں مگر اس عالم میں بھی میں نے ان کو اپنی ساری ذہنی قوتوں کے ساتھ اسی سمت میں کھنچتے ہوئے دیکھا ہے جدھر انھوں نے اپنی منزل کا تعین کیا ہے۔

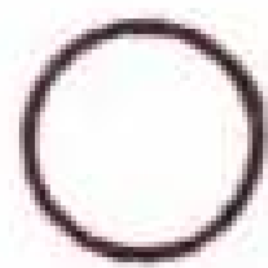
شاعر کی شخصیت، اس کے خیالات و رجحانات اور اس پر اچھے برے بیتے ہوئے دنوں کی کیفیت سے اگر آپ کسی حد تک بھی واقف نہیں ہیں تو اکثر و بیشتر اشعار آپ کو الفاظ کا گورکھ دھندہ معلوم ہونے لگتے ہیں۔ کبھی کبھی مطلب بالکل خبط سا ہو جاتا ہے اور آپ الجھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اس لئے میں نے اشعار کے معانی، خوبیوں اور ان کے فنی پہلوؤں کی جستجو کو آپ کے لیے چھوڑ دیا ہے اور شاعر کے طرزِ فکر اور اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی طرف ہلکے اشارے کر کے آپ کے لئے ایک ایسا مواد مہیا کر دیا ہے جو ہر شعر کے لئے ایک حقیقی پس منظر کا کام دے سکتا ہے۔

شاید کہیں آپ محسوس کریں کہ وہ شاعری کے ان روایتی اصنام کی پوجا کی طرف بھی مائل ہیں جو ذہنی لذتوں اور فکری بے راہ روی کی پیداوار ہوا کرتی ہے۔ مجھے بھی کئی بار یہ دھوکا ہوا ہے۔ میں نے بھی ان کے بعض اشعار اچنبھے سے سنے ہیں۔ لیکن جب ان کو غور سے دیکھا اور سمجھا تو ان کی مثال ایسی نظر آئی جیسے کسی بہت ہی کڑوی گولی کو حلق سے نیچے اتارنے سے پہلے اس کو شکر کے محلول میں ایک مرتبہ ڈبو کر نکال لیا جائے یا پھر یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں انسان حقیقتوں پر مصلحتوں کے پردے ڈالنے پر مجبور ہوتا ہے۔ وقت کے تقاضوں کے مطابق یہ پردے

ہلکے پھلکے بھی ہو سکتے ہیں اور بھاری بھرکم بھی، ورنہ بنیادی طور پر وہ رومانی شاعر ہرگز نہیں ہیں۔ ان کے احباب نے ان کی "رومان بیزار" ہیئت کے اندر ایک دردمند دل دیکھا ہے جو لذتوں کے لئے بےحس اور بےقراریوں پر بڑا حساس ہے۔ ان کے اس دردمند دل اور فکرمند دماغ سے بہت سی امیدیں وابستہ ہو چکی ہیں اور آج ان کے کلام کا یہ مجموعہ انہیں امیدوں کو پورا کرنے کی طرف پہلے قدم کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہلدوانی۔ ۳۱۔ مارچ ۱۹۶۷ء

م۔ یوسف



اس کی باتیں سُن کر یارو کچھ نہ کہو تو میں جانوں
میری طرح یہ تیر یہ نشتر دل پہ سہو تو میں جانوں

اپنے لیے سب رو لیتے ہیں اپنے درد کی بات ہی کیا
دُنیا بھر کا درد سمو کر شعر کہو تو میں جانوں

کل کی بات تو کل زیبا تھی اے فطرت کے گلچینو
آج کسی ویرانے کو ویران کہو تو میں جانوں



شام بدلے گی سحر بدلے گی
جب کبھی اس کی نظر بدلے گی

تو کدھر جائے گا میرے ساقی
بزم کی بزم اگر بدلے گی

خون کے گھونٹ پیئے جائیں آپ
زندگی رُخ تو مگر بدلے گی

فطرتِ شیخ و برہمن کی قسم
شیطنت اور بھی گھر بدلے گی

آشیاں جب نہ رہے گا فہمیؔ
منزل برق و شرر بدلے گی

طلب کے عادی طلب ہے بیجا نگاہ ساقی سمجھ کے پی جا

یہ میکدہ ہے یہاں ہر اک کو بقدر تشنہ لبی ملے گی!

کنشت و کعبہ ہو یا کلیسا میں چھوڑ کر میکدہ چلوں گا

یقیں دلا دیں بس آپ اتنا وہاں بھی دریا دلی ملے گی

ستم کے ماروں سے آپ کہہ دیں ستم کے ماروں میں بانٹ دونگا

مقام دار و رسن سے پہلے اگر مجھے کچھ خوشی ملے گی!



آراستہ جب بزمِ خیالات ہوئی ہے

معمول سے کچھ زیادہ بڑی رات ہوئی ہے

ساغر کی کھنک ہے نہ کہیں قلقلِ مینا

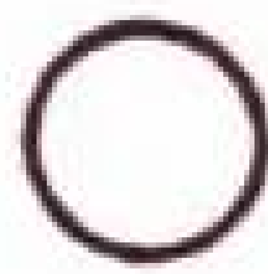
کیا حالتِ دُنیائے خرابات ہوئی ہے

سنتا ہوں بڑا شور نئی صبح کا لیکن

محسوس یہ ہوتا ہے ابھی رات ہوئی ہے

بہلا ہوا دل ان کے تصور سے تھا فہمی

ایسے میں کہاں اُن سے ملاقات ہوئی ہے



میری تباہی کے قصّوں میں جن جن کا افسانا تھا

میرے جنوں کا باعث یارو! ان کے نام چھپانا تھا

نظریں جب اس پر ٹھہریں تو لاکھ شگوفے اور کھلے

ورنہ اس سے پہلے دل کا ہر عالم ویرانا تھا

منزل پر دم لیں گے جا کر رستے بھر یہ سوچتے آئے

اور اب منزل پوچھ رہی ہے "تم کو کہاں تک جانا تھا"

اپنے کچھ ناموزوں فقرے اپنے کچھ بے ربط خیال

صنفِ سخن میں لا کر ہی تم کو کیا اترانا تھا



غلط کیا ہے جو دل اُس پر فدا ہے

نظر نے بارہا مجھ سے کہا ہے

جہاں کا پالنے والا خُدا ہے

تمہیں کو دیکھ کر میں نے کہا ہے

جہاں بھی ضد پر اپنی آ گیا ہے

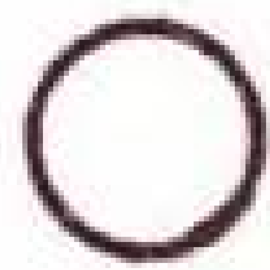
جنوں کو عقل کا رتبہ ملا ہے

تری محفل سے اٹھ کر بھی وہیں ہیں

ہماری بے بسی کی انتہا ہے

فقط اک تم کو اپنانے کی خاطر

زمانہ بھر کو اپنانا پڑا ہے

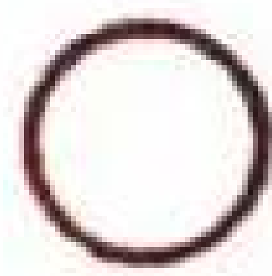


جہاں کو قابلِ رشکِ جناں بنائے ہیں
نگارِ عصر کو ہم نوجواں بنائے ہیں

ہمارے دل کی نہ پوچھو کہ ہم نے خوں دیکر
نئی ڈگر ہی نہیں کارواں بنائے ہیں

نئے سماج کی تشکیل شاعرانہ ہے
زمین چھوڑ کے سو آسماں بنائے ہیں

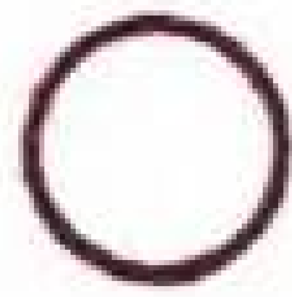
جہاں کہ ذہن بھی صیّاد کا نہ پہنچے گا
مری نظر نے وہاں آشیاں بنائے ہیں



خرد مندوں میں شامل رہ چکے ہیں
جنونِ فصلِ گل سے پیشتر ہم
قدم رکھتے نہیں اک لحظہ یارو!
کدھر لے جائیں یہ ذوقِ سفر ہم
تری تنویر آڑے آ رہی تھی
تری محفل سے جاتے بھی کدھر ہم



رودادِ تباہی کی میری بس اتنی ہے اے دل والو!
غم اس نے دیا جتنا بھی مجھے قسمت نے مری تھوڑا سمجھا
محرومیٔ قسمت کا تجھ سے شکوہ بھی کرے تو کیا تھی
سو بار ترا جلوہ دیکھا ہر بار مگر پردا سمجھا



ستم یہ ہے کہ نہیں تو ہی بے خبر تنہا
سنا رہا ہے زمانہ بھی جان کر تنہا

کسی کے عارضِ خوش رنگ کیا ہوئے یارو!
میں دیکھتا ہوں مسلسل رخِ سحر تنہا

اٹھو کہ پی لیں بنامِ دو اسمِ قاتل
یہی ہے صورتِ تسکین چارہ گر تنہا

مجھی کو منزلِ جاناں بلا رہی تھی بہت
مجھی کو چھوڑ گئے مل کے ہمسفر تنہا

ہجومِ فکرِ دو عالم لیے ہوئے پلٹی
وہ اک نگاہ جو اٹھی تھی آپ پر تنہا

ہجومِ راہبراں تھا اگرچہ میرے ساتھ
مگر نصیب میں تھی زحمتِ سفر تنہا

مزاجِ حسن عبث تھا یہ حکمِ بارشِ سنگ
کہ میرے واسطے کافی ہو سنگِ در تنہا

تمام قافلہ رستہ میں لٹ گیا فہمی
خبر یہ لایا ہے منزل پہ راہبر تنہا



ہر ٹیس دب گئی ہے، ہر زخم سو گیا ہے

جب اپنی بیکسی کا احساس ہو گیا ہے

جاں تھی وہ لاپتہ ہے، دل تھا وہ کھو گیا ہے

کُوچہ میں اُس کے یارو! یہ حال ہو گیا ہے

کیا جانیئے وہ ظالم کیا اور گل کھلائے

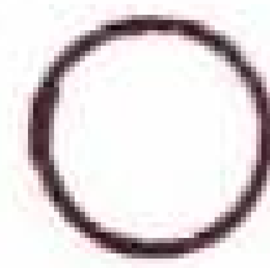
کانٹے تو زندگی کی راہوں میں بو گیا ہے

طوفاں بھی دم بخود ہیں موجیں بھی مضمحل ہیں

گویا خیالِ ساحل مجھ کو ڈبو گیا ہے

پیشِ نظر ہے میرے اک صبح کا سا منظر

پلکوں میں جب سے کوئی شبنم پرو گیا ہے



تقدیرِ غمِ تیرہ شبی بھول نہ جائے

تو یاد نہ آئے تو کوئی بھول نہ جائے

آ بیٹھا تو ہوں راہ میں اس کی مگر اے دوست

مدّت میں جو گزرے تو خوشی بھول نہ جائے

لب پر یہ دعا ہے کہ نہ یاد آئے کسی کی

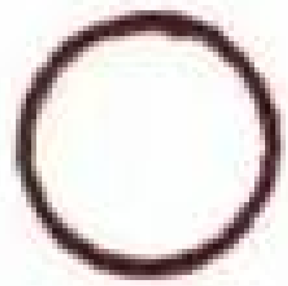
دل میں یہ تمنا ہے کوئی بھول نہ جائے

اے خانۂ دل شوق سے آجاتا ہے جو مہماں

ہاں شمع کوئی جلتی ہوئی بھول نہ جائے

اے نغمگیٔ جشنِ کرم ہائے بہاراں

ہنسنا کوئی معصوم کلی بھول نہ جائے



جب تک نہ جل سکے سرِ منزل کوئی چراغ
تعمیرِ رہگزر سے کوئی فائدہ نہیں

اب شورشِ خزاں کہ نویدِ بہار ہو
دل کو کسی خبر سے کوئی فائدہ نہیں

محویتِ تصوّرِ جاناں نہ پوچھیے
عالم یہ ہے نظر سے کو فائدہ نہیں

فہمیؔ وہ عرضِ حال کو کہتے ہیں شاعری
مجھ کو مرے ہنر سے کوئی فائدہ نہیں



آرام کا ہم کو تو سلیقہ نہیں یارو!
جو دُکھ وہ ہمیں دے وہی آرام ہمارا



سوتے سوتے آنکھ کھُلی ہے
پہلو میں بے چینی سی ہے

کانٹوں سے جھولی بھر لی ہے
اُف یہ محبت بھی اندھی ہے

زہر سے بچنے کو مے پی ہے
غلطی سوچ سمجھ کر کی ہے

دامنِ گل پر ٹھہری ہوئی ہے
چنگاری یہ بھول رہی ہے

تشنہ تشنہ خود ساقی ہے
بات یہاں تک آ پہنچی ہے

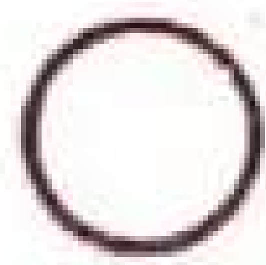
اور کہاں سر پھوڑوں جا کر
تیرا کوچہ میری گلی ہے

ناصح اپنی بابت سوچو
ہم نے انجانے میں پی ہے

میری کہانی اپنی بتا کر
سب نے اس ظالم سے کہی ہے

ہر ہر پچھلی چوٹ ہے تازہ
قاتل کو یہ بات کھلی ہے

دیوانہ ہے تیری نظر میں
سب کی نظروں میں نبی ہے



اداشناس زمانے سے روشناس ہو تم
کسی کے ساتھ نہیں ہوں تو کیوں اُداس ہو تم

کبھی "فسانۂ تعبیرِ زندگی" کی طرح
کبھی "حقیقتِ خوابِ گراں قیاس" ہو تم

مرے نصیب کی محرومیاں ارے توبہ
اُداس ہونا تھا مجھ کو مگر اُداس ہو تم



اے ذوقِ امتیاز مرا ہاتھ تھام لے
کہنے کو صبح نو ہے مگر شام کی طرح

اس جانِ انتظار کو شاید پتہ نہیں
دل بجھ گئے چراغِ در و بام کی طرح

کہتے ہیں جس کو خونِ جگر، خونِ آرزو
وہ چیز ہم نے پی مئے گلفام کی طرح

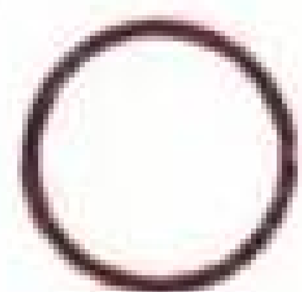
اُس کی ادائے قتل ہمیں جانتے ہیں کچھ
اک زخم بھی دیا ہے تو انعام کی طرح

پھر چہرۂ افق پہ ہیں غازہ کی جھلکیاں
پھر یاد آنہ جائے وہ کل شام کی طرح

اے مصلحت نواز مرے بس میں ہو اگر
میں تجھ کو بھول جاؤں ترے نام کی طرح

لاتی ہے زندگی کی مہک بھی صبائے درد
لیکن کسی کے نامہ و پیغام کی طرح

مجبور ہوں میں نشۂ صہبا سے محتسب
ورنہ نظر میں تو بھی ہے انجام کی طرح



وحشتِ دل پاؤں میرے ہی نہیں
تھک چکے ہیں صاحبِ محمل کے ہاتھ

شدتِ احساس نے مارا مجھے
ورنہ نازک تھے بہت قاتل کے ہاتھ

اُس بُتِ معصوم نے بھیجا مجھے
اپنا ہر پیغام مستقبل کے ہاتھ



یہ دیوانوں کی بستی ہے، آؤ کسی سے کہہ دیں

عقل کی بات ہی ناسمجھی ہے، آؤ کسی سے کہہ دیں

دل ہی نہیں ہر شے سستی ہے، آؤ کسی سے کہہ دیں

ہم کو یہاں جو زک پہنچی ہے، آؤ کسی سے کہہ دیں

ہمسائے کچھ اور سمجھ کر گڑھ لیں کوئی افسانہ

آنکھوں میں کیوں رات کٹی ہے، آؤ کسی سے کہہ دیں

بھیگا بھیگا پھول سا چہرہ حشر اٹھا سکتا ہے

تاروں سے شبنم برسی ہے، آؤ کسی سے کہہ دیں

جس دنیا کی خاطر مجھ سے روٹھا کوئی، وہ دنیا

اس کے لیے کیا کچھ کہنی ہے، آؤ کسی سے کہہ دیں



کانٹوں کی طرف جائیں کہ خاروں کی طرف جائیں
یہ مسئلہ طے ہو تو بہاروں کی طرف جائیں

طوفاں ترا احسان بھی مانیں گے مگر ہم
بہتے ہوئے جس وقت کناروں کی طرف جائیں

بن گونجتا رہتا ہے نظر کچھ نہیں آتا
کب تک یونہی گھبرا کے پکاروں کی طرف جائیں

منزل کا تعین ہے نہ رہبر کا تعین
کس منہ سے بھلا راہگذاروں کی طرف جائیں

لو اہلِ سفینہ وہ سنو اک نئی آواز!
"جو ڈوبنا چاہیں وہ کناروں کی طرف جائیں"



منہ بیکسوں کا زرد بڑی دیر تک رہا

ماحول دل کا سرد بڑی دیر تک رہا

کہنے کو مسکرا بھی لیے تم کو دیکھ کر

لیکن جگر میں درد بڑی دیر تک رہا

دامان و جیب کھو کے بھی ہنگام فصل گل

میں گلستاں نوَرد بڑی دیر تک رہا

مڑ مڑ کے دیکھنے کو ترے دیکھتا بھی کون

حائل غبار گرد بڑی دیر تک رہا

فہمیؔ اسی سماج کا چہرہ بگڑ گیا

جو بے نیاز فردِ بڑی دیر تک رہا



چند اشکوں کے دیئے بھی مری پلکوں پہ سجاؤ

رات کے لمحۂ جب اُس زلف کے قصّے دہراؤ

یوں مرے چاک گریباں کا تمسخر نہ اُڑاؤ

کوئی تم سے بھی یہ کہہ سکتا ہے "دامن تو دکھاؤ"

صرصرِ وقت سے مجبور دیوں کو بھی جلاؤ

ساتھیو! صرف چراغِ تہِ داماں پہ نہ جاؤ

مصلحت بینی و اندیشۂ دُنیا کب تک

کبھی چلمن سے نکل کر بھی مرے سامنے آؤ



ہرنی جیسی آنکھوں سے بھی آس لگا لیتے ہیں لوگ

اپنے اچھے خاصے دل میں گھاؤ بنا لیتے ہیں لوگ

تیرے میرے ذکر میں اپنے نام بچا لیتے ہیں لوگ

ہم آنسو پیتے رہتے ہیں اور مزا لیتے ہیں لوگ

شہرِ خوباں کے مشتاقو! دل کی نزاکت چھوڑے جاؤ

دامن کا کیا ذکر وہاں تو آنکھ بچا لیتے ہیں لوگ

یہ میرا ہے وہ تیرا ہے، ملک نہیں مذہب ہی سہی

اپنے اوپر کیسی کیسی قید لگا لیتے ہیں لوگ

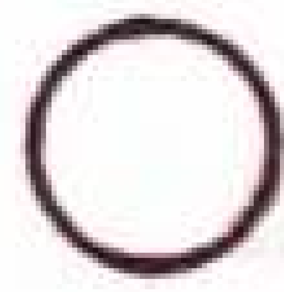
کشتی کس نے پار لگائی اس پہ لہو بہہ جاتا ہے
آتے آتے ساحل تک طوفان بلا لیتے ہیں لوگ

اس کافر بستی میں فہمیؔ دل کو لیے پھرتے ہیں آپ
ہم نے دیکھا ہے پھولوں کے رنگ اُڑا لیتے ہیں لوگ



شغل بیچارگی سے بھر پائے
ساتھیو آؤ دور ہو جائے

جذبۂ عشق یہ مقام ہے کیا
سر جہاں ٹھوکروں میں آجائے



کیا بتاؤں جو مرا حال ہوا تیرے بعد

اپنے دل کو کبھی اپنا نہ کہا تیرے بعد

خونِ دل پانی کی مانند بہا تیرے بعد

مجھ سے کانٹوں نے بڑا رنگ لیا تیرے بعد

ہائے فریاد کہ اک اشک نہ ٹپکا میرا

میری آنکھوں میں رہی تیری حیا تیرے بعد

اے مرے روٹھنے والے مرا دل بھی آخر

ہو گیا سارے زمانے سے خفا تیرے بعد

غنچۂ دل مرا مرجھا کے دوبارہ نہ کھلا

آسرا لاکھ بہاروں کا لیا تیرے بعد

بھول جاؤں اسی کوشش میں رہا میں دن رات

کون کہتا ہے تجھے یاد کیا تیرے بعد

بہہ گئے حضرت فہمیؔ کسی تنکے کی طرح

سیلِ آلام و حوادث نہ رکا تیرے بعد



اک آشیاں کا کیا ہے لگا دوں گا آگ خود

آئیں بھی تو چمن میں مرے دن بہار کے

دل میں بلا کا درد لبوں پر مگر ہنسی

اللہ رے مرحلے طربِ ناگوار کے



کسی کا حسنِ مجسم رہا ہے آنکھوں میں

مگر یہ لمحہ بہت کم رہا ہے آنکھوں میں

پلک پلک پہ ترا غم رہا ہے آنکھوں میں

جوابِ منظرِ شبنم رہا ہے آنکھوں میں

تیرا جمال کہ تیرا خیال ہو اے دوست

مثالِ عصمتِ مریم رہا ہے آنکھوں میں

حیات تیرگیٔ غم بڑھا کے کیا لے گی

تمہارا گیسوئے پُرخم رہا ہے آنکھوں میں

اُن آرزوؤں پہ سو جان سے نثار ہے دل

جن آرزوؤں کا ماتم رہا ہے آنکھوں میں

جمالِ دوست کی رعنائیاں بھی آنسو بھی
خیال و خواب کا سنگم رہا ہے آنکھوں میں
وہ بے نقاب ملا بھی تو کیا ہوا فہمی
خیالِ سجدہ مقدّم رہا ہے آنکھوں میں



ہمارے ساتھ ہی اہلِ حرم بھی کچھ کہتے
تو پھر جواب میں شاید صنم بھی کچھ کہتے
بجا ہیں دوستو اندیشہ ہائے راہِ وفا
قدم اُٹھایا نہ ہوتا تو ہم بھی کچھ کہتے



مری کہانی کو خود اپنی داستاں سمجھو
ذرا ذرا بھی اگر تم مری زباں سمجھو

ہمارے دل کا لہو لے کے تم چھڑک دینا
جہاں ضرورتِ تزئینِ گلستاں سمجھو

خرد ہو یا کہ جنوں، فرق کچھ نہیں پڑتا
جسے بنا و اُسے میرِ کارواں سمجھو

یہ کس کی مستیٔ نازِ خرام نے آخر
چمن کے دل پہ گرائی ہیں بجلیاں سمجھو

قفس نصیبو! فراہم جو آب و دانہ ہے
بڑی نوازشِ صیادِ مہرباں سمجھو

یہ چند خار یہ کلیاں یہ آشیاں فہمی
سمجھ سکو تو انھیں جانِ گلستاں سمجھو



غمِ دوراں ہے نہ جاناں، اسے کیا کہتے ہیں
خود بخود دل ہے پریشاں، اسے کیا کہتے ہیں

دامنِ حسن پشیماں بھی گیا ہاتھوں سے
لذتِ چاکِ گریباں، اسے کیا کہتے ہیں

آج بھی دل میں کسک ہے تری یادوں کے لئے
جب کہ حسرت ہے نہ ارماں، اسے کیا کہتے ہیں

تو نے تو آگ ہی دامن میں لگائی ہوتی
اے چراغِ تہہِ داماں، اسے کیا کہتے ہیں

داغ ہی داغ ہیں مہکے ہوئے تا حدِّ نگاہ
حسرتِ فصلِ بہاراں، اسے کیا کہتے ہیں

ایک کو دوسرے کا ہوش نہیں ہے فہمی
جیسے ساحل بھی ہو طوفاں، اسے کیا کہتے ہیں



نگارِ صبحِ چمن ہے کہ زندگی جیسے
پکارتی ہو مجھے ایک اک کلی جیسے

جہاں وہ رشکِ غزالاں نظر نہیں آتا
کبھی گئے بھی اِدھر ہم تو اجنبی جیسے

ہماری جستجوئے مرگ دیکھ لی قاتل
تجھے دل میں اور بھی ارمان کچھ اسی جیسے

کسی کی یاد کے لمحے ارے معاذ اللہ
نسیمِ صبحِ چمن چل کے تھم گئی جیسے

ترے بغیر شبِ ماہ کا یہ عالم ہے
نچوڑ لے کوئی تاروں سے روشنی جیسے

ہمارا حال ضروری ہے پوچھنا تو سنو!
خود اپنے شہر میں پھرتے ہیں اجنبی جیسے

کسی کی بزم سے اُٹھ کر چلے تو یوں فہمی
قدم قدم پہ ضروری ہو خودکشی جیسے
مشامِ جاں ہے معطّر یہ کس کی تھی آواز
بہت قریب ہنسی ہو کوئی کلی جیسے



گذرے ہوتے موسم کی ہوا ڈھونڈھ رہے ہیں
اس دور میں ہم جنسِ وفا ڈھونڈھ رہے ہیں
تم عیسیٰ دوراں سہی تم سے ہمیں مطلب!
ہم لوگ تو مرنے کی دوا ڈھونڈھ رہے ہیں



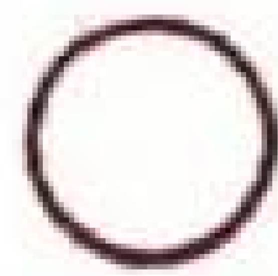
ناکامیٔ دل خونِ تمنا ہے ترا غم
یا میرے ہی خوابوں کا نتیجہ ہے ترا غم

میں مصلحتِ وقت سمجھتا تو ہوں لیکن
چہرے سے نمایاں ہوا جاتا ہے ترا غم

سو زخم لیے ہیں دلِ ناکام پہ میں نے
تب جا کے زمانے سے بچایا ہے ترا غم

اظہارِ غمِ جاں مری عادت نہیں لیکن
ماحول کو شعروں میں رچاتا ہے ترا غم

اس بت کے لیے تو میں یہ کہتا نہیں فہمی
ہر صاحبِ دل ورنہ سمجھتا ہے ترا غم



دیوانوں کی فہرست میں آتے ہیں ہمیں لوگ

ہاں تیرے ستم تجھ کو جتاتے ہیں ہمیں لوگ

مانا کہ بہت تشنہ جگر تشنہ نظر ہیں!

صحرا کی مگر پیاس بجھاتے ہیں ہمیں لوگ

افسونِ شبِ تار جگا لینے دو پہلے!

پھر دیکھنا سورج بھی اُگاتے ہیں ہمیں لوگ

اک پل بھی تری یاد سے غافل نہیں رہتے!

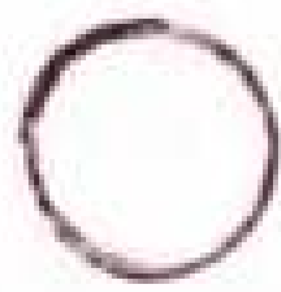
اس پر کہ تجھے بھولتے جاتے ہیں ہمیں لوگ

پلکوں پہ سجاتے ہیں لہو اپنے جگر کا

بارِ مئے و میخانہ اُٹھاتے ہیں ہمیں لوگ

تو جانِ چمن رشکِ بہاراں سہی لیکن
اس کا تجھے احساس دلاتے ہیں ہمیں لوگ

موجوں سے بچا کر ہی نہیں لاتے سفینہ
ساحل پہ بھی طوفان اٹھاتے ہیں ہمیں لوگ



طنزِ نامحرمانِ وفا کے سبب
یا ترا شہر اے فتنہ خو چھوڑ دیں
کاش! ایسی نگاہوں سے دیکھو ہمیں
بھول جائیں تمہیں جستجو چھوڑ دیں
اس کی آنکھوں میں شبنم لرزنے لگی
کیا کریں پھر وہیں گفتگو چھوڑ دیں



روز بدلتے دیکھ رہے تھے محفل کے حالات کو ہم
لاکھ جتن کے بعد بھی تم سے کہہ نہ سکے اس بات کو ہم

جن کو بھلانا بھی ناممکن جن کا تصور بھی ہے محال
دیتے ہوئے ہیں مستقبل کا روپ ایسے لمحات کو ہم

ہجر کی لمبی تنہائی سے پوچھو تم کو کیا معلوم
کب تک جاگے، کیسے سوئے، کتنا روئے رات کو ہم

وصل کی نعمت دینے والے ہجر کا افسانہ ہے طویل
اک لمحے میں کیسے کہہ دیں صدیوں کے حالات کو ہم

خوب تھی تمیزِ روز و شب، لیکن اس کو کیا کہیے
تیری گلی میں آتے آتے بھول گئے اوقات کو ہم

زخموں کا اندوہ تو کیسا، ناسوروں سے دل نہ دُکھا
ارمانوں کی صف میں لائے تیری ہر سوغات کو ہم
برقِ خزاں افتاد سے قیمتی سنتے ہیں پامال ہوئے
دیکھ رہے تھے حدِّ نظر سے آگے جن باغات کو ہم



مانا کہ مرے پیار کا چرچا بھی نہیں ہے
لیکن کوئی سمجھا نہ ہو ایسا بھی نہیں ہے
تقدیر کے ماتھے پہ شکن بھی ہے لہو بھی
تدبیر کے ماتھے پہ پسینہ بھی نہیں ہے
جانے ہوئے چہرے بھی ہیں پہچاننے مشکل
کہنے کو اجالا ہے اندھیرا ابھی نہیں ہے



اپنوں کی بھی نگاہ میں اچھا نہیں ہوں میں
دُنیا ترے مزاج کو سمجھا نہیں ہوں میں

اے مسکرا کے دیکھنے والے ذرا تو سوچ
کیا تیری حسرتوں کا جنازہ نہیں ہوں میں

میرے لہو سے غازۂ گلرنگ ہے بہم
اس پر بھی زندگی کو گوارا نہیں ہوں میں

زخمِ شکستہ پائی سے مجبور ہوں مگر
اے شہرِ آرزو تجھے بھولا نہیں ہوں میں

صدقے کسی کی یاد کے، لیکن یہ غم بھی ہے
پر خار وادیوں میں اکیلا نہیں ہوں میں

دُنیا کے ڈر سے میری طرف دیکھنا بھی جرم
اور اس پہ یہ گمان کہ رسوا نہیں ہوں میں

منزل سی چیز آئی ہے قدموں میں بارہا
لیکن ترے خیال میں ٹھہرا نہیں ہوں میں

تھی اب اس کی یاد، نہ ارماں، نہ جستجو
ہاں نام ہر اک ایسا جو بھولا نہیں ہوس میں

○

برق بن کر بہار آئی ہے!
آگ برسی ہے آشیانے میں
میرے آنسو بتائیں گے اے دوست
زحمتیں ہیں جو مسکرانے میں
اُن کی آنکھوں میں آگئے آنسو
جان ہی پڑ گئی فسانے میں



دشمن بھی مرے بن گئے غمخوار، چلے جاؤ
بس ہو تو چکی پرسشِ بیمار، چلے جاؤ

یہ قہر کی شب ہے یہ قیامت کی گھڑی ہے
اس وقت زمانہ بھی ہے بیدار، چلے جاؤ

دل میں مرے سو نشترِ غم توڑ چکے ہو
گردن پہ بھی رکھتے ہوئے تلوار، چلے جاؤ

آساں نہیں اتنا مری وحشت کا تماشا
دیوانہ بنا کر پسِ دیوار چلے جاؤ

قابو میں نہ آنکھیں، نہ زباں ہے نہ مرا دل
کر دے کوئی الفت کا نہ اظہار، چلے جاؤ

صحرائے جنوں تنگ ہوا جاتا ہے مجھ پر
باقی نہیں دامن میں کوئی تار، چلے جاؤ



تجھ سے میرا حال دیکھا جائے ہے

ورنہ جو دیکھے ہے رونا آئے ہے

ہم بھی کس کی دید کے طالب ہوئے

وہ، جو قسمت سے نظر آ جائے ہے

کیسا کیسا دل کو سمجھاتا ہوں میں

ہمنشیں تو کیا مجھے سمجھائے ہے

ہائے ری محرومیوں کی زندگی

دل کی خاطر آنکھ دھوکا کھائے ہے

حسن کی نازک مزاجی کی قسم

شعر کہتے جی مرا گھبرائے ہے



جبینِ حسن پہ جب تک شکن محسوس ہوتی ہے
ہمیں ہر زحمتِ دار و رسن محسوس ہوتی ہے

قفس کی تیلیوں کے فاصلے پر فخر کرتے ہیں
جنہیں اپنے نشیمن میں گھٹن محسوس ہوتی ہے

یہ صحرائے جنوں ہے ورنہیں گلشن ہے دیوانو!
یہاں کانٹوں کو خود اپنی چبھن محسوس ہوتی ہے

مری آنکھیں ابھی کچھ اور بھی خونبار ہوتی ہیں
ابھی انسانیت تشنہ دہن محسوس ہوتی ہے



رہبر کی سیاست کے معنی یہ بھولے راہی کیا جانیں
منزل پہ پہنچنے تک جن کی منزل ہی جدا ہو جاتی ہے

اُس مرحلۂ نازک پہ مجھے لے آئی ہے الفت میری
ہر ایک جفائے دوست جہاں خود عذر جفا ہو جاتی ہے

کیا فلسفہ گر یہ سمجھے گا کیا میری پریشانی جانے
وہ زلف کہ برہم ہونے پر ساون کی گھٹا ہو جاتی ہے

اے جرأت گویائی تجھ سے وہ بات کہاں ممکن ہو گی
ان بھیگی بھیگی آنکھوں سے جو بات ادا ہو جاتی ہے



دیکھ رہے ہو چاند کو یارو! منہ پر کیسی زردی ہے
میری طرح اس کو بھی شاید دنیا سے ہمدردی ہے

عقل کی ہر تجویز جنوں نے قبل سحر رد کر دی ہے
رات کے اندھیاروں سے پوچھو! مانگ نجوم سے بھر دی ہے

سرو و صنوبر کے سائے میں کب کا آیا بیٹھا ہوں
لیکن میرے دل میں ابتک زخمِ "دشت نوردی" ہے

اُس نے مجھ سے کچھ نہ کہا ہو لیکن دل کا حال ہے یہ
چیر کے میرا سینہ جیسے آگ کسی نے بھر دی ہے

شکوے اور نہ وعدے ہیں اب، آنسو اور نہ یادیں ہیں
ہائے محبت کا یہ موسم، گرمی ہے نا سردی ہے

جو بھی وار لگا یا اوچھا، جو ناوک مارا ترچھا
اللہ اللہ قاتل کو بھی مجھ سے بڑی ہمدردی ہے



دشمن کے ٹولے میں یارو! شب خوں کی تیاری ہے
دِل کی جوت جگائے رکھو! رات بہت ہی بھاری ہے

ساقیٔ شب میخانہ بڑھا کر، گھر جا بھی لیٹا یارو!
آنکھیں کھولو! دیکھ تو لو!! یا نشہ ابھی تک طاری ہے

دل کی میّت پر بھی مجھ سے ماتم کرنے کو نہ کہو
چوم رہا ہوں چھوڑ رہا ہوں جو پتھر بھاری ہے

ظالم! تو نے دار پہ کھینچا، سر کاٹا، پامال کیا
پھر بھی ہمنے ہار نہ مانی، کم یہ جیت ہماری ہے

چاک گریباں ہوگا کوئی، کوئی بنے گا سودائی
شورشِ فصلِ گل تک ہی سب یاروں کی ہشیاری ہے

فہمی ان اشکوں سے کوئی، دل کی بجھا سکتا ہے پیاس
موتی جیسا یہ پانی بھی پی کر دیکھو کھاری ہے



اکثر دل بھی مچلا ہمارا، اکثر دل سے نکلی ہائے
لیکن قاتل تو نے دیکھا لب پر تیرا نام نہ لائے

تجھ بن جینا بھی کیا جینا، اس جینے سے ہم بھر پائے
کب تک بجھتے دیپ کی لو کو کوئی رہ رہ کر اکسائے

اس دھڑکے میں ہی ہم نے خونِ دل سے بجھائی پیاس
شاید بجلی ٹوٹے ہم پر اور گلوں پر آنچ آ جائے



زندگی یا خودکشی ہم کیا کریں
کچھ بتاؤ تو سہی ہم کیا کریں

ساقیٔ مہوش نے آنکھیں پھیر لیں
اے غمِ تشنہ لبی ہم کیا کریں

زندگی کاٹی ہے اُس کے جوگ میں
کوئی سمجھے اجنبی، ہم کیا کریں



سویا ہے جو شعور بمشکل نہ جاگ جائے
اے آرزوئے ترکِ وفا دل، نہ جاگ جائے

معمول سے زیادہ فضا میں ہے گھن گرج
خوابوں سے اپنے، وہ مہ کامل نہ جاگ جائے

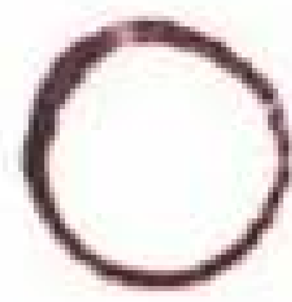
مجھکو ڈبو دیا ہے تو اب سوچتے ہیں لوگ
موجوں کے اضطراب میں ساحل نہ جاگ جائے

یوں خود کو گردِ رہ نہ کرے قیس تو اگر
لیلیٰ کے دل میں بھی غمِ محمل نہ جاگ جائے

جگنو چمک رہے ہیں خلاؤں میں ہمنشیں
احساسِ نارسائیٔ منزل نہ جاگ جائے

بے سر ہی رقص کرتے رہو بسملانِ شوق
جب تک تمام کوچۂ قاتل نہ جاگ جائے

فہمی کسی کے پھول سے چہرے پہ ہے نظر
دل میں تمہارے سوزِ عنا دل نہ جاگ جائے



ہم پئے نذر ہتھیلی پہ ابھی سر لے آئیں

آپ فرمائیں تو جو کچھ ہے میسر لے آئیں

چشمِ ساقی کی جھلک پہلے دکھا دیں ہم کو

گردشیں شوق سے پھر زہر کے ساغر لے آئیں

کوچۂ صبر میں خطرے ہیں بہت دل کو مگر

اپنے بس کا بھی نہیں، کیسے اٹھا کر لے آئیں

تیرگی کا ہے تقاضا کہ چلیں سوئے ضیا

اور اک شمع کسی طور جلا کر لے آئیں

ان سے خوشبو کے لئے بھی نہ کہو اہلِ قفس

ان ہواؤں کا ہے کیا ٹھیک، گلِ تر لے آئیں

سوچتے ہیں کہ پھر اُس بزم میں جائیں لیکن

دل وہیں چھوڑ کے ٹوٹا ہوا ساغر لے آئیں

لوگ برگد کی گھنی چھاؤں نہیں چھوڑیں گے
آپ لانے کو یہاں سرو و صنوبر لے آئیں

ایک تقدیر ہی کچھ ایسی ہے ورنہ ہم سے
کوئی روٹھا بھی نہیں جس کو منا کر لے آئیں

شیشۂ دل انھیں جاتے ہو دکھانے فہمی
وہ اگر ضد میں اُٹھا کر کوئی پتھر لے آئیں



چمن میں کھل نہ سکی ڈھنگ سے کوئی بھی کلی
گذر گئی ہیں بہاریں اُڑا کے اپنی ہنسی

ٹھہر گیا تھا ترے انتظار میں دن بھی
خیالِ زلف کے قربان رات ہو ہی گئی

بنامِ گردشِ دوراں ہے رہن مدت سے
وہ شاعری جو محبت کے واسطے کی تھی



رات کے زانو پہ سر رکھتے ہی ہمی روئے ہے
دن کی بربادی کا اندازہ بھی کیا شے ہوئے ہے

کیا کہیں ہم اس کے کوچہ میں جو محشر ہوئے ہے
اپنے کشتوں کے سرہانے بیٹھ کر خود روئے ہے

آپ فرما دیں تو شاید گل کھلائے زندگی
میرے کہنے سے تو ظالم اور کانٹے بوئے ہے

ہائے یہ معصوم کلیاں، ہائے یہ نادان پھول
ایک شبنم ہے مگر کس کے دامن دھوئے ہے

ایک ہم تھے جو تری محفل سے ہاتھوں پر اُٹھے
زندگی ہیں ورنہ ایسی قدر کس کی ہوئے ہے

فیصلہ کرنا ہے مجھے ظالم تو آنکھیں پھیر لے
دولتِ احساس اچھی ہے اسے کیوں کھوئے ہے

ابنِ آدم سے ہے نالاں کشتِ زارِ زندگی
جس قدر کاٹے ہے گیہوں اُس قدر جو بوئے ہے



جو اجنبی ہو اُسے آشنا کہا جائے
تمہارے شہر کی رسموں کو کیا کہا جائے

تم اپنے حسن تغافل سے مشورہ کر لو
میں چاہتا ہوں کسی کو خدا کہا جائے

بس ایک اس کے سوا کون ہے یہاں یارو!
جسے علاجِ غمِ لا دوا کہا جائے

دل اُس مقامِ محبت تک آگیا ہے جہاں
جفائے دوست کو اپنی خطا کہا جائے

خطا معاف اس الجھن میں ہوں کئی دن سے
ترے ستم کو کہاں تک بجا کہا جائے

مرے نصیب میں لکھدی تری محبت نے
وہ زندگی کہ جسے نا سزا کہا جائے

ہزاروں دل بھی جلاؤ تو اب نہیں ملتا
مزاجِ تیرگیٔ شب کو کیا کہا جائے
وہ میرا کوئی نہیں کوئی بھی نہیں شاید
مگر جنونِ محبت کو کیا کہا جائے



حُسن گھبرا کے پسِ پردۂ در کیسے آئے
فکر یہ کم ہے جو سوچیں کہ نظر کیسے آئے
رُخ ہواؤں کا کسی اور طرف ہے یارو!
آج ادھر اہلِ گلستاں کی خبر کیسے آئے
لاکھ پردوں میں سہی جلوۂ خورشیدِ وفا
ہم اسی دھن میں رہیں گے کہ نظر کیسے آئے
قافلے والو! ذرا ٹھہرو کہ ہم سوچ سکیں
"یہ جو رہزن ہیں سرِ راہ گزر کیسے آئے"

یوں تو کہنے کو نہ کافر نہ مسلماں ہم تم
ہاں مگر جانتے ہیں عظمتِ انساں ہم تم

پہلے خود اپنے دلِ کشتۂ آلام تک آئیں
پھر بدل ڈالیں مزاجِ غمِ دوراں ہم تم

خونِ دل رشتۂ جاں صرف ہوا کرتا ہے
جب کبھی کرتے ہیں سامان چراغاں ہم تم

وصل کی شب یہ دعائیں ہیں "خدا خیر کرے"
ہجر میں بھی تو نہ تھے اتنے پریشاں ہم تم

کون جانے کہاں آجائے بہاروں کا پیام
منسلک رکھیں گریباں سے گریباں ہم تم

زیست کو تہمت و الزام سے آگے لے جائیں

خلدِ زخمِ دل وجاں کر کے نمایاں ہم تم

قلب دریا کے تموّج سے تو جی اُوب گیا

چل کے ساحل پہ اُٹھائیں کوئی طوفاں ہم تم

یوں تو ہونے کو زمانہ تھا تہِ دامنِ عشق

اُس کی عصمت کا ہوا کون نگہباں ہم تم

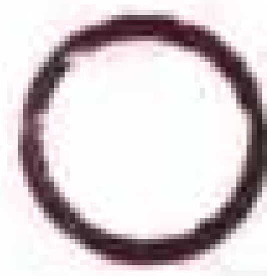


پریشانی کا شکوہ کیا مری آنکھوں نے دیکھا ہے

نسیمِ صبح کا دامن گلوں کے چاک کر جانا

مذاقِ رہنمائی کی زمانہ میں یہ رسوائی

ہر اک بھٹکے ہوئے راہی نے خود کو راہبر جانا



ایک ہی شکل زمانے میں نظر آتی ہے

شہرِ دل اب ترے لٹنے کی خبر آتی ہے

ہائے آشفتہ مزاجانِ محبت کے نصیب

خود کو بھولے ہیں تری یاد مگر آتی ہے

ساتھیو! خاطرِ منزل پہ کہیں میل نہ آئے

ساتھ ساتھ اُڑتی ہوئی گردِ سفر آتی ہے

وادیٔ دیر و حرم عرصۂ صد دار و رسن

پھر کہیں اُس کی حسیں راہگزر آتی ہے

کچھ تو اربابِ نشیمن کو بتاؤ یارو!!

برق کیوں چھوڑ کے صیاد کا گھر آتی ہے



آپ کا وعدہ بالکل سچّا آپ ضرور آئیں گے مگر

رستے میں ہو جائے سویرا یہ بھی تو ہو سکتا ہے

رہبر ہے یا رہزن یارو! یہ ہم کیسے جانیں گے

دونوں کا ہو ایک ساڈیرا یہ بھی تو ہو سکتا ہے

اُس کے غم میں رونے والے، اتنا ابتر حال نہ کر

پھر ہو جائے اس کا پھیرا یہ بھی تو ہو سکتا ہے



دیکھنے کی قسم نہیں ورنہ کیا کہا کیا سنا نہیں معلوم

موت کا نشہ چھا گیا ورنہ کس قدر سوچا نہیں معلوم





عشق پلکوں پہ سجائے ہے دیئے

حسنِ بیزار ذرا دیکھ تو لے

آج کی رات اندھیری ہے بہت

کام شاید ہی ستاروں سے چلے

ہائے اس دل کی اذیت اے دوست

زندگی بھر جو ترا نام نہ لے

حالِ بیمارِ غمِ ہجر نہ پوچھ

نیند سی آئی مگر رات ڈھلے



حضرتِ فہمی چمن میں بات ہے کوئی ضرور

فصلِ گل میں جانبِ صحرا جو دیوانے چلے



اے بادِ صبا تو جو ادھر آتی رہے گی
یارانِ گلستاں کی خبر آتی رہے گی

تعمیرِ قفس حسبِ توقع ہے اسیرو!
ہر چیز گلستاں کی نظر آتی رہے گی

منزل ہے بڑی چیز مگر راہنماؤ!
کب تک یہ ہمیں دُور نظر آتی رہے گی



کچھ ان سے بھی اے دل کہہ دے — ایک دفعہ ہی قاتل کہہ دے
جس جا تھک کر بیٹھ گیا ہوں — کوئی اسی کو منزل کہہ دے
ڈوبنے والے کیسے ڈوبے — طوفاں چپ ہے ساحل کہہ دے

حال نہ کہنے والے اُن سے
صرف غمِ مستقبل کہہ دے



غم کے سائے ہیں نمودار ابھی
روشنی ہے پسِ دیوار ابھی

ایک ہو کر جو اُٹھیں زندانی
بیٹھ جائیں در و دیوار ابھی

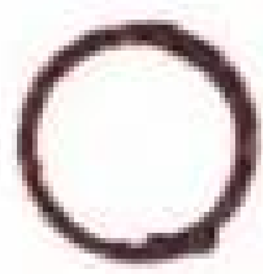
بے حقیقت نہیں میرے اشعار
آپ اٹھانے کو تھے تلوار ابھی

تھم گئے خود مرے آنسو ورنہ
پڑ گئی تھی نگہِ یار ابھی

تم ذرا ساز کی لے تیز کرو
ہم پہنچتے ہیں سرِ دار ابھی

رنگ لینا ہے بہاروں سے مجھے
ل کے دامن میں ہیں تار ابھی

پیار کا نام نہ لینا فہمی
گرم ہے ظلم کا بازار ابھی



ہر اک سیاست سے جی رہا ہے، ہر اک سیاست سے پل رہا ہے
تمیز دیر و حرم ہے مشکل کہ مشترک کام چل رہا ہے

سحر کا مژدہ سنانے والو سحر کا منظر بھی دیکھتے ہو
یہ پیلا پیلا تمہارا سورج نکل رہا ہے کہ ڈھل رہا ہے

سکون کیسا ہے پیش خیمہ کسی عظیم انقلاب کا یہ
امیر چولا بدل چکا ہے غریب فطرت بدل رہا ہے

ہر اک کو منزل رسی کی دھن ہے یہ کون سمجھے یہ کون دیکھے
چلے تھے رہبر بنا کے جسکو وہ چال رہزن کی چل رہا ہے

جس آدمِ نو کی منتظر ہے عروسِ گیتی فضائے ہستی
وہ کھیت میں تپ رہا ہے یعنی وہ کارخانوں میں ڈھل رہا ہے



بہت ہی گراں ہے چمن کی سکونت

ابھی تھا، ابھی آشیانہ نہیں ہے

تمہاری نگاہوں کو پہچانتے ہیں!

ہماری نظر میں زمانہ نہیں ہے

چمن کو بچانا ہے بجلی کی زد سے

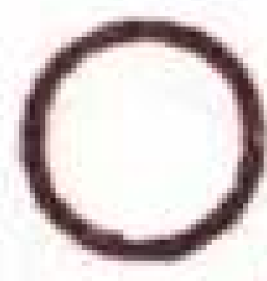
مرے سامنے آشیانہ نہیں ہے

مرے دل کو بدلا نہ جائے گا تم سے

یہ "رسم و رواجِ زمانہ" نہیں ہے

مجھے ایسی دنیا میں جینا ہے فہمی

جہاں کوئی اپنا یگانہ نہیں ہے



صرف گلشن پہ کچھ لہو کرتے
پھر شکایاتِ رنگ و بو کرتے

مرگِ حسرت ذرا جو دم لیتی
اور کچھ ان کی جستجو کرتے

دھجیاں اڑگئیں گریباں کی
چاک ہوتا تو ہم رفو کرتے

کاش وہ بھی چمن تک آجاتا
اُس سے پھولوں پہ گفتگو کرتے

اپنے بس میں اگر یہ دل رہتا
ہم بھی جینے کی آرزو کرتے



آج رندوں ہی کی چل جانے دو

نظمِ میخانہ نہ بدل جانے دو

مسکرا کر میں دکھاؤں گا تمہیں

سرحدِ غم سے نکل جانے دو

میرا مقسوم نہ بدلے، نہ سہی

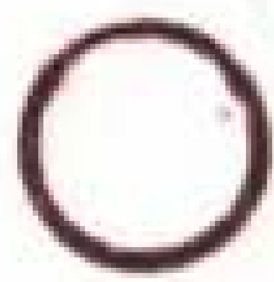
میری فطرت ہی بدل جانے دو

خفتہ بختوں کو سحر سے کیا کام

زلفِ شب رنگ مچل جانے دو

اصلِ گلشن ہی بچا لو فہمی

آشیاں جلتا ہے جل جانے دو



مینا بھی اچھلتا ہے ساغر بھی اچھلتا ہے
ایسے کہیں مے نوشو! میخانہ سنبھلتا ہے

منزل ہو یہی شاید منزل نہ ہو یہ شاید
اک قافلہ رُکتا ہے اک قافلہ چلتا ہے

ارمان مچلنے دے کچھ رات گزرنے دے
سورج بھی کبھی ہمدم بے وقت نکلتا ہے

منزل کی لگن جس کی ہستی کا ہو سرمایہ
گر گر کے وہ اٹھتا ہے اٹھ اٹھ کے وہ چلتا ہے

محرابِ حرم تک ہے زاہد کی مُسلمانی
باہر جو نکلتا ہے کافر ہی نکلتا ہے

انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز رامپور کی مطبوعات

فارسی آموز: محمد علی خاں اثر مرحوم کی مرتبہ بنیادی، کارآمد اور عام استعمال کے الفاظ کی فارسی بہ اردو مختصر لغت ———— ۵/-

وقایع زمان نواب آصف الدولہ (تفضیح الغافلین): معاصر مورخ اور سیاح ابوطالب لندنی کے قلم سے، مرتبہ عابد رضا بیدار ———— ۱۰/-

فہرست مخطوطات عربی و فارسی و اردو: صولت پبلک لائبریری رامپور کے ۴۴۰ مخطوطات کا تعارف۔ از: عابد رضا بیدار ———— ۲۰/-

رضا لائبریری، ایک تعارف: رامپور کے مشہور زمانہ کتابخانہ کی تاریخ اور نوادر کا تذکرہ۔ ———— از: عابد رضا بیدار ———— ۵/-

کنز العمال: دسویں صدی کے عظیم ہندوستانی محدث شیخ علی متقی کا کارنامہ، حدیث کی انسائیکلوپیڈیا۔ ترجمہ مع ترتیب جدید۔ از: سید فخر الدین عرف اچھے میاں ۱۰/-

ابدی اور لازوال: ہیم شیلڈ اور اقبال کی ڈائریوں، لاؤزی کے نوشتوں اور رشید احمد صدیقی کی تحریروں پر مبنی۔ تقدیم، ترجمہ و ترتیب عابد رضا بیدار ۱۰/-

تقریظ قندیل حرم: رتن ناتھ سرشار کی اولین تصنیف، مرتبہ مسرت حسین آزاد و عابد رضا بیدار ———— ۵/-

تحریکِ آزادی کے چند اہم باب: بابو سمپورنا نند اور چودھری خلیق الزماں کی خود نوشت سوانح عمریوں پر تبصرہ، اور اہم حصوں کا انتخاب۔ از عابد رضا بیدار ———— ۵/-

اسلامی معاشرہ کے تنزل کا اہم سبب: ازمنۂ وسطیٰ میں عروج و زوال کی داستان۔ از: ڈاکٹر سید مقبول احمد ———— ۱/-

علوم مشرقیہ و اسلامیہ کی ایک انسائیکلوپیڈیا: 'برہان' اور 'معارف' کا موضوع وار اشاریہ۔ مرتبہ عابد رضا بیدار ———— ۲۰/-

ابوالکلام آزاد: سوانح، سیاست، صحافت، تفسیر، تصانیف، تبصرہ۔ از: عابد رضا بیدار ———— ۲۰/-

مصحفی: ایک تہذیبی مطالعہ۔ ———— از: عابد رضا بیدار ———— ۵/-

انتخابات کلام (مع سوانحی خاکہ) (۱) قائم چاندپوری (۲) شاد عارفی (۳) راز یزدانی (۴) وارث فہمی (۵) ہادی مصطفیٰ آبادی (۶) جمیل نعمانی ۵/-